دیکھنا قافلہ چھوٹ نہ جائے

ڈاکٹر عبداللہ عزام رحمہ اللہ شہید انشاء اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَبَعْدُ :

یہ چھوٹا سا کتابچہ، میں ان لوگوں کے لیے لکھ رہا ہوں جو جہاد کے میدانوں میں اترنے کے لیے تڑپتے، مچلتے اور شہادت کی تمنا میں بے چین ہوئے جاتے ہیں۔

اس کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ: جہاد کیوں؟

دوسرا حصہ: وااسلاماہ!

میں نے کتاب کا خلاصہ بھی آخر میں دے دیا ہے اور چند نوٹس بھی ...... اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتابچہ کو دلوں کا زنگ دور کرنے میں مفید بنا دے۔ اور اس کے ذریعے ہماری اصلاح کر دے اور ہمیں اوروں کی اصلاح کا ذریعہ بنا دے۔ بے شک وہ سننے والا قریب ہے اور جواب دینے والا ہے۔

اس کتابچے کی وجوہات تالیف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے صبح وشام بہت سے خطوط ایسے ملتے رہتے ہیں جن میں افغانستان کے جہاد میں شرکت کے متعلق مختلف سوالات ہوتے ہیں، چنانچہ اس کتاب کے ذریعے ایسے تمام طالبانِ شوق کو جامع جواب فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آؤ جنت کی طرف اے دوستو! جو تمہارا گھر بھی ہو خیمہ بھی ہو
ہم کہ اپنے دشمنوں کی قید سے، لوٹ پائیں گے وطن کو، سوچ لو
سوچ لو! اگر لوٹنا ممکن نہ ہو، کیا کریں گے قید میں ہم ہوش کو

۱۷ شعبان ۱۴۰۷ھ — بندۂ فقیر
۱۵ اپریل ۱۹۸۷م — عبداللہ عزامؒ شہید انشاءاللہ

پہلا حصہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ، اَللّٰھُمَّ لَا سَھْلَ اِلَّا مَاجَعَلْتَہٗ سَھْلًا وَّاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ اِذَا شِئْتَ سَھْلاً وَبَعْدُ:

دوستو! آج مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھنے والا بڑی آسانی سے یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ بالفاظ حدیث ''حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَةُ الْمَوْتِ'' ہے یعنی دنیا سے محبت اور موت (جہاد) سے نفرت کرنا......صرف اس وجہ سے گمراہ اور ظالم حاکم' زمین کے ہر ہر کونے میں' مسلمان کی گردن پر سوار ہوئے بیٹھے ہیں کیونکہ کفار کو جہاد کے علاوہ کسی چیز سے خوف محسوس نہیں ہوتا' چنانچہ اسی لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلاً.

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اللہ کی راہ میں لڑو' تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لیے ذمہ دار نہیں ہو۔ البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لیے اکساؤ' بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے' اللہ کا زور سب سے زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔ [النساء:٤:٨٤]

اور ہم مسلمانوں کو جہاد کی طرف بلاتے ہیں اور جہاد کے میدانوں میں ان کی پیش قدمی کا انتظار کرتے ہیں تو اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پیش خدمت ہے۔

1- کفر کی سیادت کا تختہ الٹنے کے لیے

آیت کریمہ ہے:

﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ. (الانفال:٨:٣٩) ﴾

اوران سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہوجائے۔ پھر اگر وہ فتنے سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ اگر جہاد رک جائے تو ساری قیادت وسیادت کفر کے ہاتھ آجاتی ہے اور فتنہ پھیلنے لگتا ہے جو شرک ہے۔

2- قحط الرّجال کے سبب

اس وقت عالمِ اسلام کا سب سے بڑا المیہ ایسے لوگوں کی عدم دستیابی ہے جو ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا حوصلہ رکھتے ہوں اور امت کی پریشانیوں کا علاج کرسکتے ہوں ۔صحیح بخاری میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''النَّاسُ کَاِبِلٍ مِّائَةٍ لَا تَجِدُ فِیْھَا رَاحِلَةً'' یعنی لوگ ایسے سینکڑوں اونٹوں کی مانند ہیں جن میں راحلۃ' (سواری میں مدد دینے والا اونٹ) ایک بھی نہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تمنا کرو! چنانچہ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ تمنا کی۔ پھر انہوں نے کہا۔ امیر المؤمنین! اچھا اب آپ تمنا کیجئے۔ کہا: میری تمنا ہے کہ میرے پاس ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ایک مکان ہو (جن کو اطراف واکناف عالم میں ذمہ داریاں سونپی جائیں اور وہ جہاد کا حق ادا کریں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق کہ:

☆ یقیناً جاننے والے اور علم رکھنے والے بہت کم ہیں۔

☆ اور عمل کرنے والے ان سے بھی کم۔

☆ اور جہاد کرنے والے تو گویا نادرِ روزگار ہیں اور شاذ ہی ملتے ہیں۔

☆ اوروہ جواس رستے میں صبر سے کام لیتے ہیں گویا کہ کسی کی گنتی میں ہی نہیں آتے۔

میں ایک روز ایک ''قرآنی حلقے'' کے پاس سے گزرا جس میں دوردراز علاقوں سے عزت بزرگی' برکت اورنعمت کی زمین افغانستان کی طرف آنے والے عرب بیٹھے تھے۔ میں نے ان نوجوانوں کے چہروں کی طرف دیکھا تاکہ ان میں سے کوئی اچھی تلاوت جانتا ہوتو اس کو ان کا امیر مقرر کردوں۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑرہاہے کہ میں نے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ پایا۔اس موقعے پر میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکا:

ما انصفنا قومنا. ہم نے اپنی قوم کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ (مسلم کتاب الجہاد میں: انصفنا اخواننا اور اصحابنا کے الفاظ ہیں۔نیز مسند احمد جلد اول ص ۴۲۳۔سوم ص ۲۸۶)

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہی تھی جب احد کے میدان میں سات انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوگئے تھے۔

ہمیں کہنے دیجئے کہ ہمارے طلبا اور داعیانِ کرام نے ہماری طرف بڑھنے میں وہ سرگرمی نہیں دکھائی جس کی ہم ان کے ایمان واخلاق سے توقع کررہے تھے ...... بلکہ اس کے برعکس ان میں سے بعض تو شوق کے شہسواروں کو یہ مشورہ دیتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ وہ اپنے شہروں میں ہی رکے رہیں...... حالانکہ اپنے شہروں میں وہ اپنے ہونٹ کی ذراسی جنبش سے حکمرانوں کے ظلم کے خلاف ایک کلمہ تک نہیں کہہ سکتے۔

اوران میں سے بعض نادانستہ طور پر بغیر علم کے یہ فتوے صادر کررہے ہیں کہ ان افغانیوں کو آدمیوں کی نہیں 'مال' کی ضرورت ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے افغانیوں کو مال کا ضرورت مند پایا لیکن وہ ''رجال کار'' کے اس سے زیادہ محتاج ہیں جتنا مال کے......اور داعیوں کی تو انہیں اور بھی شدید ضرورت ہے......

جی ہاں! میں یہ بات کہہ رہا ہوں......اس حال میں کہ میں نے مجاہدین کے درمیان چھ سال گزارنے کے بعد اسی کو حق اور سچ پایا۔

اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آئے تو آپ میرے ساتھ افغانستان کی وادیوں میں گھوم پھر کر دیکھئے......آپ دیکھیں گے کہ بیشتر محاذ ایسے ہیں جہاں کوئی قرآن کو خوبصورتی کے ساتھ پڑھنے والا ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

اور آیئے! میرے ساتھ دوسرے محاذ پر چلیے تاکہ آپ کو پتا چلے کہ پورے محاذ میں کسی کو نمازِ جنازہ ہی نہیں آتی اور مجاہدین نمازِ جنازہ پڑھانے والے کسی عالم کی تلاش میں......اپنے شہداء کو کندھوں پر اٹھائے لمبی لمبی مسافتیں طے کرنے پر مجبور ہیں۔اور جہاد کے فقہی احکام مثلاً تقسیمِ غنائم قیدیوں کا معاملہ وغیرہ کی بات ہوتو بلا مبالغہ بے شمار محاذوں میں' ان احکام سے لاعلمی کی وجہ سے' مجاہدین دوردراز کے علاقوں میں' علماء سے رابطہ کرنے پر مجبور ہوئے تاکہ وہ درپیش احکامِ شرعیہ جان سکیں اور پھر ان پر عمل کریں۔

محاذ بہ محاذ اس گشت کے دوران آپ محسوس کریں گے کہ افغانیوں کو داعیوں' اماموں' قرآن کے قاریوں اور علماء کی کتنی ضرورت ہے اور یہ کہ جہاں کہیں سلیقہ مند' حلیم الطبع' متمسک بالدین اور جہاد کا شوق رکھنے والے عرب نوجوان پائے گئے انہوں نے اپنے اپنے محاذوں میں اپنے پیچھے گہرے اثرات چھوڑے ہیں حالانکہ ان میں سے بعض روایتی طور پر صرف میٹرک تک تعلیم یافتہ تھے۔

ہم یہاں سارے واقعات اور آثار کا احاطہ نہیں کرسکتے۔آپ نے عبداللہ بن انس' ابودجانہ' ابوعاصم' طاہر رحمہم اللہ وغیرہ کا ذکر تو پڑھا ہوگا۔اور اگر میں آپ کو ابوشعیب اُمّی العربی رحمہ اللہ کی وہ ساری داستان سناؤں جو اس نے اپنے پیچھے ولایت پغمان میں چھوڑی ہے تو آپ کھڑے کے کھڑے اور بیٹھے کے بیٹھے رہ جائیں ۔آپ کی زبان گنگ ہوجائے اور آپ کی حیرت ختم ہونے میں نہ آئے۔

ہمیں اپنے ان بھائیوں سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں جو ابھی تک اجتماعی جمود کے قفس سے آزادی نہیں پا سکے اور اپنی گردنوں سے تقلید کے قلادے نہیں اتار سکے' اور جو پرفریب استشراقی حملوں کے سامنے' معاشرتی اور حکومتی دباؤ کے زیراثر اپنے جسموں سے شکست خوردہ نسلوں کا دیا ہوا رنہ نوچ کر نہیں پھینک سکے۔ مجھے اپنے ان بھائیوں سے بس اتنا ہی کہنا ہے کہ اگر وہ معاشی اور معاشرتی زنجیریں توڑ کر ہماری طرف نہیں آسکتے تو دعائیں ضرور کرتے رہیں۔ کہ جہاد کی جس سرزمین پر ان کی روحیں اڑتی' پھڑپھڑاتی اور تیرتی پھر رہی ہیں......اللہ ان کو جسموں کے ساتھ وہاں پہنچادے۔

ایک روز ہم نے قاضی مظلوم (احمد شاہ مسعود کے ایک کمانڈر) سے کہا......ہمیں قاری ابوعاصم رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ بتاؤ جو تمہارے علاقے اندراب میں شہید ہوا۔

کہنے لگا:

میں نے ہیبت، وقار، اطمینان اور علوہمتی [بلند حوصلے] میں اس کا ثانی نہیں دیکھا......ہم میں سے کوئی بھی اس کے سامنے بات کرنے کی جراءت نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی اس کے سامنے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ سکتا تھا۔ مذاق اور ٹھٹھا کرنا تو دور کی بات ٹھہری۔

تو میرے بھائی! آپ کیا کہیں گے اگر میں آپ کو بتاؤں کہ ابو عاصم محض میٹرک پاس تھا۔ اس کی عمر فقط ۲۳ سال تھی۔ اور وہ قرآن کا حافظ تھا......اسی لیے میں کہتا ہوں کہ مردوں کی مردانگی دکھانے کا وقت آ پہنچا ہے اور یہ باتیں بنانے کے بجائے کام کرنے کا وقت ہے۔

اس کو چھوڑ جو کہ چوری ہو گیا' یہ بتاؤ کیا کرو گے جو بچا

مسلمانوں کے بڑے بڑے مسائل حل طلب پڑے ہیں۔ صورت حال بڑی المناک اور پیچیدہ ہے......لذت کام و دہن کو چھوڑ دیئے......اسلوبِ کلام اور حسنِ کلام کے ذکر کو دفع کیجئے اور ان سے بڑے امور پر مجھ سے بات کیجئے...... مجھے بتایئے کہ مسلمانوں کے لیے کیا کیا جائے؟

3- دوزخ کے خوف سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ. (التوبة:۹:۳۹)

اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے ۔اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ابن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں دنیا میں ''عذاب الیم'' یہ ہے کہ مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں پر مسلط کر دیئے جائیں گے اور آخرت میں ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی ۱۴۲/۸)۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اس آیت سے مراد کفر کے غلبے اور اس کی شوکت وقوت بڑھنے کی صورت میں حسبِ ضرورت ''نفیر عام'' کا وجوب ہے۔

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا ؕ فَاُولٰۤـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۝ فَاُولٰۤـئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ (النساء:٤:٩٧-٩٩)

اور جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اس حالت میں کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہوگا۔ وہ ان سے پوچھیں گے' تم کہاں تھے؟ وہ کہیں گے' ہم زمین میں مسکین اور مظلوم تھے۔ وہ کہیں گے' کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم کا بدترین گڑھا ہوگا۔ لیکن مردوں میں سے حقیقی مستضعفین' عورتوں اور بچوں کو جو کوئی چارہ کرنے سے قاصر ہیں اور نجات کی کوئی راہ نہیں پاتے شاید اللہ تعالیٰ معاف کردے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا عفو پرور اور معاف کرنے والا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہؒ کی سند سے روایت کیا کہ:

مجھے عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ مسلمان' مشرکین کی بستیوں میں رہتے تھے اور ان مشرکین کی عددی قوت میں اضافے کا سبب بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب مسلمان تیر چلاتے تو ان میں سے کسی کو جا لگتا اور زخمی کرتا اور موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ............

اسی طرح بعض مؤمنین جو مکہ میں اگرچہ اپنے دین پر پوری شد و مد کے ساتھ قائم تھے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ جنگ بدر کے روز کفار سے ڈرتے اور شرم

کھاتے ہوئے میدان میں آنکلے اور کفار کے گروہ میں اضافے کا سبب بنے۔ پھر ان میں سے جو لوگ مارے گئے ...... بخاریؒ کی روایت ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے۔ مستضعفین کا انجام جاننے کے بعد اب آپ کا کیا خیال ہے۔ جو نام کے مسلمان بنے کفار کا ظلم وستم سہہ رہے ہیں؟ اور چوپایوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جو اپنی عزت' جان اور مال سے کھیلنے والی کسی نظر کو پھوڑنے' کسی انگلی کو موڑنے کی طاقت نہیں رکھتے' بلکہ ان میں سے کوئی اتنی طاقت بھی نہیں رکھتا کہ اگر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی مرضی سے داڑھی چھوڑنا چاہے تو چھوڑ دے کیونکہ اس عمل سے اس کی اسلام سے محبت ظاہر ہو جاتی ہے (جو حکمرانوں کو اس کا دشمن بنا دیتی ہے)۔ بلکہ وہ اپنی بیوی کا لباس حسب شرع لمبا کرنا چاہے تو یہ بے چارہ یہ بھی نہیں کر سکتا ...... کیونکہ یہ ان کے ملک میں ایسا جرم ہے جس پر اسے لٹکایا جا سکتا ہے اور اس پر ہر قسم کی سزا عائد کی جا سکتی ہے۔ حتّٰی کہ وہ کعبۃ اللہ میں بیٹھ کر تین نوجوانوں کو قرآن بھی نہیں پڑھا سکتا ...... اگر چاہے ...... کیونکہ ''یہ غیر قانونی اجتماع'' ہے جو جرم ہے۔ بلکہ بعض نام نہاد اسلامی مملکتوں میں تو وہ اپنی بیگم کے بال بھی نہیں ڈھانک سکتا۔ نہ ہی وہ انٹیلی جنس کے 'کتوں' کو اپنی بیٹی کا ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے سے روک سکتا ہے۔ جسے وہ اندھیرا پھیلتے ہی تاریکی کی چادر میں جہاں چاہیں گھسیٹتے پھریں ...... بے چارگی اور مظلومیت کی تصویر بنا وہ اپنی بیٹی کے انتظار کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ سوچیے تو سہی ...... یہ کیسی بے بسی ہے؟ اور کیسا اسلام ہے؟ کیا وہ اللہ کے باغی حکمرانوں کے جاری کردہ کسی حکم کو ماننے سے انکار کر سکتا ہے؟ ایسا حکم ...... جس میں اسے طاغوتی حکمرانوں کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ جانے کو کہا گیا ہو۔

اور کیا لاکھوں لوگ اسی طرح کی ذلت اور مسکنت کی زندگی نہیں گزار رہے ہیں؟ ...... ایسی حالت میں فرشتے اگر ان کی روح قبض کر لیں تو ظاہر ہے کہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ جب فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ:

فِیمَا کُنتُمْ .... ؟ (تم کہاں تھے؟) تو ان کا جواب کیا ہوگا؟

وہ یہی کہیں گے نا کہ:

کُنَّا مُسْتَضْعَفِینَ فِی الْاَرْضِ!

ہم زمین میں بے چارے مظلوم اور بے کس تھے۔

انہیں خبردار رہنا چاہیے کہ ''ضعف'' اللہ کے ہاں کوئی ''عذر'' نہیں ہے ...... بلکہ یہ تو ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

اللہ نے صرف ان لوگوں کو معذور قرار دیا ہے جو:

۱۔ یا تو عمر کے آخری حصے میں ہیں۔

۲۔ یا تو چھوٹے بچے ہیں۔

۳۔ یا عورتیں ہیں۔

کیونکہ یہ ظلم سے نجات کے لیے کوئی حیلہ اور وسیلہ نہیں پاتے اور آزادی اور عزتوں کے محافظ سرزمین کا راستہ نہیں جانتے ...... جو نہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں اور نہ جہاد کے قافلوں میں شرکت کر سکتے ہیں۔

میں اس شہر پرفتن کو چھوڑ دوں گا' جہاں میری حمیت مر رہی ہے
جہاں قلب پریشان رو رہا ہے' جہاں میری زباں بندی ہوئی ہے
سنا ہے صاحب الرائے وہی ہے' جو اپنے فیصلے بروقت کر لے
جسے روشن ہدایت مل گئی ہو' وہ اپنے دامنوں کو خوب بھر لے

میں پورے علم ویقین اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ جہاد ...... اور جہاد کی طرف ہجرت' حقیقت میں ایک ہی اصل کے دو جزو ہیں جن میں کسی کو دین کی فطرت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ...... اور وہ دین جس میں جہاد نہ ہو حقیقت میں نہ تو زمین میں اپنا وجود قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور نہ ایسے دین کا بوٹا پھل پھول سکتا ہے۔ بلکہ ''جہاد کی قوت'' ہی اس دین کا جزِ حقیقی ہے جس کا رب العالمین کی میزان میں اپنا وزن ہے' یعنی جہاد کو فقط انبعاثِ اسلام [صدرِ اسلام] کے زمانے کی ضرورت سمجھنا غلط ہے بلکہ جہاد تو اس قافلے کی مستقل ضرورت ہے جو دین کا ''ہدف آخر'' پا لینے کے لیے کوشاں ہو۔

استاد سید قطب رحمہ اللہ فی ظلال القرآن جلد دوم صفحہ ۷۴۲ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر جہاد' حیات اسلامی کے کسی مرحلے کی عارضی ضرورت ہوتی تو قرآن میں اس کثرت سے تکرار' اور تبلیغ کے تحریص کے ساتھ اس کا ذکر یوں ہر پارے میں نہ ہوتا۔ اور اسے عارضی ضرورت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بیش تر حصہ پورے جوش وخروش اور سرگرمی کے ساتھ اس پر عمل کرتے گزر گیا ہے۔

اور اگر جہاد کسی مرحلے کی ''عارضی ضرورت'' ہی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے ہر مسلمان کے لیے یہ وصیت چھوڑ کر نہ جاتے کہ:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحدِثُ نَفْسَهٗ بِغَزْوٍمَاتَ عَلٰی شُعْبَةِ نِفَاقٍ۔

جو شخص ایسی حالت میں مر گیا کہ اس نے زندگی بھر نہ تو کبھی جنگ کی ہوگی نہ اس کے بارے میں کبھی سوچا ہوگا' تو گویا وہ منافقت کی ایک خاصیت کے ساتھ مر گیا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا تھا کہ جہاد کا یہ حکم شہنشاہوں پر بڑا گراں گزرے گا اور حکومتوں اور جاہ حشمت والی سلطنتوں والے' ضرور اس کے سامنے مزاحمت کریں گے کیونکہ یہ ان کے طریقے سے مختلف طریقہ اور ان کی فکر سے مختلف اسلوب ہے۔ اور یہ مختلف طریقہ ماضی ہی میں مختلف نہیں تھا بلکہ وہ زمین کے ہر چپے پر' مسلمانوں کی ہر نسل میں' اور تاریخ کے ہر دور میں ان (جابر حکمرانوں) سے مختلف ہی رہا ہے' بلکہ آئندہ بھی ان سے مختلف رہے گا اور ان کے خلاف سرگرم عمل بھی رہے گا۔

حکمت اور علم کا مالک' رب کائنات یہ جانتا تھا کہ ''شر'' کی کمینی طبیعت سے کسی انصاف یا خیر کی توقع عبث ہے۔ وہ خیر کا پودا آسانی سے بڑھتے' پھلتے'' پھولتے نہیں دیکھ سکتا' بلکہ خیر کے بیج کا نمو پانا ہی شر کے وجود کے لیے خطرے کا باعث ہے۔ اور اسی طرح حق کا مجرد وجود باطل کے لیے خطرے کی علامت ہے' چنانچہ جس طرح دنیا میں امن قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر شر' خیر کی قوتوں کے سامنے سرنگوں ہو' اسی طرح باطل کا' اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے حق کو مٹانے اور ملیا میٹ کر دینے کی کوشش کرنا بھی لازمی ہے۔

یہ جبلت ہے.................. یہ وقتی صورتِ حال نہیں ہے۔

یہ فطرت ہے.................. یہ عارضی کشمکش نہیں ہے۔

اور اگر صورت یہ ہے.................. تو جہاد کی ضرورت بھی واضح ہے!

اور یہ بھی کہ جہاد کی اس کشمکش کو ہر وقت اور ہر صورت میں جاری رہنا چاہیے' اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاد کا یہ عمل ضمیر کے نہاں خانوں سے شروع ہو اور آہستہ آہستہ زور پکڑتا ہوا عالم واقع اور منصۂ شہود پر آ ظاہر ہو۔ اور یہ لازم ہے کہ مسلح برائی کے خلاف جہاد کے لیے خیر کی طاقتیں بھی جدید ترین اسلحے سے لیس ہوں۔ اور ہر قسم کے اسلحے سے مزین اس ٹڈی دل باطل کا سامنا کرنے کے لیے حق کی تلواریں بھی خوبصورتی کے ساتھ صیقل شدہ [تیز کی ہوئی] ہوں۔

ورنہ یہ کار...... کارِ خودکشی بن کر رہ جائے گا۔ یا ایسا مذاق جو مومنین کی سنجیدہ طبیعتوں کو زیب نہیں دیتا۔

میں دشمن کو بھلا الزام کیوں دوں' اگر وہ ظلم مجھ پر کر گیا ہے
مجھے لازم ہے ہر دم ہوشیاری' اسے لازم سوائے ظلم کیا ہے؟

4- ندائے ربانی پر لبیک کہتے ہوئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًاوَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (التوبة:٩:٤١)

نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی ''تفسیر قرطبی'' جلد ۸ صفحہ ۱۵۰ پر ''خِفَافًاوَّثِقَالاً'' کی تفسیر کرتے ہوئے دس اقوال درج کیے ہیں:

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ اس سے مراد ''جوان'' اور ''بوڑھے'' ہیں۔

۲- ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ اس سے مراد ''ہوشیار'' اور ''کاہل'' ہیں۔

۳- مجاہد نے ان دونوں کا ترجمہ یوں کیا ہے:

الخفیف: یعنی غنی، مالدار (جس کی زندگی خوش حال ہو)

الثقیل: یعنی فقیر، مسکین (جس پر زندگی گزارنا مشکل ہو)

۴- شیخ حسن رحمہ اللہ نے کہا:

الخفیف: یعنی جوان۔ الثقیل یعنی: بوڑھا۔

۵- زید بن علی رحمہ اللہ اور حسن بن عتیبہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس آیت میں ''خِفَافاً وَّثِقَالاً'' سے مراد ہے ''مشغول'' اور ''فارغ'' لوگ۔

۶- زید بن اسلم رحمہ اللہ ''ثقیل'' اسے سمجھتے ہیں ''جو عیالدار ہو'' اور ''خفیف'' وہ ''جو عیالدار'' نہ ہو۔

۷- ابن زید رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ''ثقیل'' وہ ہے جو کوئی ایسا کام کرتا ہو جس کا چھوڑنا اس کے لیے مشکل ہو اور ''خفیف'' وہ ہے جو کوئی کام نہ کر رہا ہو۔

۸- امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''الخفاف'' لڑنے والے پیدل سپاہی'' اور ''اثقال'' ''گھوڑسوار''۔

۹- ایک اور تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ:

الخفاف: وہ لوگ ہیں جو جنگ میں سب سے پہلے نکلتے ہیں، یعنی جیش کا ''ہراول دستہ'' اور ''الثقال'' فوج کا باقی حصہ۔

۱۰- امام نقاش رحمہ اللہ نے الخفیف کا ترجمہ ''بہادر'' اور الثقیل کا ترجمہ ''بزدل'' کیا ہے۔

صحیح تر یہ ہے کہ آیت میں عامۃ المسلمین کو بالجملہ حکم دیا گیا ہے کہ ''نکلو چاہے یہ نکلنا تم پر بہت مشکل ہو یا بہت آسان''۔

ایک روایت ہے کہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے......اور پوچھا......کیا مجھ پر بھی جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہاں......تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آیت لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ نازل فرما کر اندھوں پر سے جہاد میں لازمی شرکت کے حکم کو اٹھالیا۔ اس حکم سے نابینا افراد پر کوئی حرج [مشکل] ڈالنا مقصود نہیں ہے، یعنی ان کے عذر کور چشمی کو قبول کیا گیا ہے اور ان کو اس حکم سے رعایت دے دی گئی ہے۔

یہ سارے اقوال فقط خفت اور ثقل کی مثال کے طور پر درج کیے گئے ہیں اور کسی باعقل اور ذی ہوش فرد کو اس میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ افغانستان اور فلسطین بلکہ سارے عالمِ اسلام کے تمام کونوں اور گوشوں میں ظلم کی چکیوں میں پستے ہوئے مسلمانوں کے لیے یہ آیت نفیر عام کا حکم ہے اور یہ کہ اس آیت کے مصداق ہم سب پر ہلکے اور بوجھل دونوں صورتوں میں نکلنے کا حکم لاگو ہوتا ہے۔

اور اس بات پر تو مسلمانوں کے سارے محدثین، سارے فقہاء سارے اصولیّین متفق ہیں کہ اگر کسی اسلامی حکومت کے کسی خطے پر یا کسی ایسی سرزمین پر جو کبھی ایک دن بھی دارالاسلام رہی ہو، دشمن حملہ آور ہو تو اس خطے کے مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے کے لیے نکلیں۔ اگر وہ بیٹھے رہ گئے یا سستی اور کاہلی کر گئے اور دشمن کو نہ روک سکے تو یہ فرض عین اس سے ملحقہ آبادی پر منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بھی دشمن کو روکنے سے عاجز رہیں تو ان سے ملحق آبادی پر اور اس طرح ملحق سے ملحق آبادی پر سے ہوتا ہوا وہ پورے کرہ ارض پر بسنے والے ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے اور جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو نماز اور روزے کی طرح اس کے ترک کی گنجائش بھی نہیں رہتی، یعنی اس وقت بیٹے کو باپ کی اجازت کے بغیر، قرضدار کو قرضخواہ کی اجازت کے بغیر، بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام کو اپنے آقا کی اجازت کی پرواہ کیے بغیر میدان میں نکلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ فرض عین اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک بلادِ اسلامیہ کفر کی گندگی اور شر سے نجات نہیں پا جاتے۔

میں نے اب تک (اپنے محدود مطالعے کی حد تک) فقہ، حدیث یا تفسیر کی کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی جس میں ایسی حالت میں جہاد کے فرض عین ہونے کی صورت میں ان رخصتوں کا ذکر نہ ہو، بلکہ میں نے کسی سلف صالح کو اس صورت حال کو ''فرض کفایہ'' سے تعبیر کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا، نہ ہی ان میں سے کسی نے والدین کی

اجازت کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔

پھر ایک بار فرض ہو جانے کے بعد مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جہاد کو اس وقت تک جاری رکھیں جب تک کہ کرہ زمین پر ایک بقعۂ زمین بھی کفار کے قبضے میں باقی ہو ۔ہاں البتہ اسی کے لیے نجات ہے جس نے جہاد کیا۔

چنانچہ آج جس نے بھی جہاد سے منہ موڑا یا ایک دفعہ جہاد کر کے چھوڑ دیا وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر عذر کے رمضان کا روزہ چھوڑ دے یا جو مالدار ہونے کے باوجود زکوۃ دینے سے انکار کر دے۔ بلکہ جہاد کے تارک کا گناہ ان سب کے گناہوں سے زیادہ ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرما دیا۔

وَالعدوّ الصّائل الّذی یفسد الدّین والدّنیا لیس أوجب بعد الایمان من دفعہٖ.

دین اور دنیا کو تہس نہس کرنے کے لیے حملہ آور ہونے والے دشمن کا مقابلہ کرنا ایمان کے بعد سب سے پہلا واجب عمل ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی واجب اور فرض نہیں ہے۔

اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس سلسلے میں ہمارے لیے ایک مینارہ نور ہے۔

انہوں نے **اِنْفِرُوْاخِفَافاً وَّثِقَالاً** کا حکم پڑھا تو فرمایا:

شُبَاناً وَّ کُھُوْلاً مَاسَمِعَ اللّٰہُ عُذْرَاَحَدٍ.

جوان ہو یا بوڑھا' اللہ نے کسی کا عذر تسلیم نہیں کیا۔

پھر فرمایا:

میرے بیٹو! مجھے تیار کرو مجھے تیار کرو۔

بیٹوں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے۔آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے ان کے ہمراہ جہاد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی سارا وقت جنگوں میں شریک رہے۔اب آپ جہاد کے قابل نہیں رہے تو اب ہم ان شاءاللہ آپ کی جگہ جہاد کرنے کے لیے تیار ہیں۔آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

کہا: نہیں نہیں۔ مجھے تیار کرو۔

پھر تیار ہوئے......اور ایک بحری قافلہ میں جا شامل ہوئے۔

وہیں سمندر میں ایسی حالت میں لیلائے شہادت سے ملاقات ہوئی کہ آپ کے ساتھیوں کو آپ کو دفن کرنے کے لیے سات روز تک کوئی جزیرہ نہ مل سکا ۔سات روز بعد آپ کو ایک جزیرے میں دفن کیا گیا تو اس وقت آپ کا جسم بالکل تر و تازہ تھا۔اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کی آٹھویں جلد صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی زمین کے کسی چپے یا ان کی جاگیروں اور عمارتوں کے کسی ذرا سے ٹکڑے پر دشمن کے قبضے سے آس پاس کی آبادیوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔یعنی ان پر لازم ہے کہ وہ ہلکے ہوں یا بوجھل، بوڑھے ہوں یا جوان، اپنی طاقت کے مطابق نکلیں۔جن کے والدین نہ ہوں وہ بھی نکلیں اور جن کے والدین زندہ ہوں وہ بھی اجازت کا انتظار کیے بغیر اللہ کی راہ میں نکل آئیں۔اور کوئی شخص جو نکل سکتا ہو پیچھے نہ رہنے پائے۔خواہ وہ مقاتل کی حیثیت سے نکلے یا مکاثر کی حیثیت سے۔ پھر اگر اس شہر کے لوگ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں تو ان کے قریب والے اور پڑوسی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس دشمن کے مقابلے کے لیے نکلیں اور اس آبادی والوں کو بھی ان کی طاقت اور قوت مدافعت کا احساس دلائیں اور اسی طرح جس کو بھی دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کے ضعف کا پتہ چلے اور وہ محسوس کرے کہ دشمن ان پر غالب آنے والا ہے۔اور یہ کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی کسی طرح بھی مدد کر سکتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے لیے میدان میں نکل آئے کیونکہ سارے مسلمان اپنے دشمن کے لیے ایک جسدِ واحد اور ایک مضبوط و متحد قوت ہیں۔

اسی طرح اگر کسی متاثرہ آبادی والے اپنے اوپر حاوی ہونے والے دشمن کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ فرض دوسروں پر سے ساقط ہو جائے گا

۔پھر اگر دشمن دارالاسلام کے قریب بھٹکتا ہوا پایا جائے چاہے وہ دارالاسلام میں داخل بھی نہ ہو تو اس کے مقابلے کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے' تا کہ اللہ کا دین غالب' ملت اسلامیہ اور سرحدات اسلامیہ محفوظ اور دشمنِ دین ذلیل اور رسوا ہو......اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مشہور شاعر نابغۃ الجعدی نے اپنی بیگم سے اس وقت مخاطب ہو کر کیا خوبصورت اشعار کہے ہیں جب وہ خاندان کی کفالت کا واسطہ دے کر اسے جہاد سے روک رہی تھی۔

ترجمہ:

وہ میرے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی' مری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے
سن اے ہمدم! اگر نکالے' تو کیا اللہ کو میں روک دوں گا
کتابی آیتیں شکوہ کریں گی' تو پھر میں اپنے رب سے کیا کہوں گا
اگر میں لوٹ آیا فضلِ حق سے' تو اللہ ہی مجھے لوٹا کے لایا
اگر میں رب سے اپنے ہوں ملاقی' تو پھر تم ڈھونڈ لینا اور سایہ
میں لنگڑا اور اندھا تو نہیں ہوں' کہ میرا عذر مجھ کو روک پائے
جسے کوئی بھی بیماری نہ ہو تو' وہ میدان وغا میں کیوں نہ جائے

۵- اپنے سلف صالح کی اتباع میں

جہاد ہمارے تمام سلف صالحین کی سنت اور عادت رہی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجاہدین کے سب سے بڑے قائد تھے۔اور''ہراول دستے'' کی قیادت خود کرتے تھے' چنانچہ جب جنگ کا میدان گرم ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی خاطر' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حصار باندھنے کی کوشش کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے سب سے زیادہ قریب یعنی اگلے مورچوں پر پاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد ۲۷ ہے اور وہ جنگیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ خود جنگ میں حصہ لیا ۹ ہیں (یعنی غزوۂ بدر' غزوۂ احد' غزوۂ مریسیع' غزوۂ خندق' غزوۂ بنی قریظہ' غزوۂ خیبر' فتح مکہ' غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف) ان ۹ غزوات میں ہم نے فتح مکہ کو اس لیے شامل کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بعض علماء کی رائے میں مکہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا۔اگر صورت حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں' بلکہ یوں کہیے کہ ۱۳ سالہ دورِ مدینہ میں ۲۷ مرتبہ میدان جنگ میں نکلتے ہیں اور ۴۷ سرایا بھیجتے ہیں تو اسلام اور جہاد کا آپس میں تعلق اور اس کی ضرورت صاف واضح ہو جاتی ہے۔حساب لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کوئی نہ کوئی سریہ بھیجتے تھے یا خود جنگ کے لیے نکلتے تھے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریق پر چلتے رہے۔حقیقت میں آسمانوں سے اترتا ہوا قرآن اس نسل کی تربیت کر رہا تھا۔انہیں جہاد کا حکم دے رہا تھا اور انہیں دنیا میں غرق ہو جانے سے ایسے ہی بچا رہا تھا جیسے ہم میں سے کوئی ''سانپ کے کاٹے'' کو پانی سے بچاتا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک ج دوم ص ۲۷۵ پر لکھا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی تصدیق بھی کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ:

اسلم ابو عمران سے روایت ہے کہ قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران ایک مہاجر نے دشمن کی صفوں پر حملہ کیا اور ان کو چیرتا ہوا دور تک نکل گیا۔ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ تھے ان کے سامنے کسی نے اس پر تبصرہ کیا ''اَلْقٰی بِیَدِہٖ اِلَی التَّھْلُکَۃِ'' (اس نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال لیا)۔

یہ سن کر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس آیت کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔یہ اس وقت ہم پر نازل ہوئی تھی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ بے شمار جنگیں لڑے کے بعد اور اسلام کے غالب ہونے اور پھیل جانے کے بعد ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ہم کچھ انصاری آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کیا خوب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز کیا

۔یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی' ہم نے اس کی خاطر اپنے اہل وعیال کو مشکل میں ڈالا' اپنے مالوں اور اولادوں کی قربانی دی ......الحمدللہ اب جنگ ختم ہوئی' اب ہم اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹیں گے اور بس انہی کے درمیان رہیں گے۔اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ. (البقرۃ:۲:۱۹۵)

اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت ومصیبت میں نہ ڈالو۔

یعنی ہلاکت اصل میں یہ تھی کہ ہم اپنے اہل وعیال اور اموال کے درمیان رہ جاتے اور جہاد چھوڑ دیتے......نہ یہ کہ ایک شخص بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے قلب میں جا گھسا۔

عکرمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ''ضمرہ بن العیص رضی اللہ عنہ'' مریض ہونے کی وجہ سے مکہ میں مستضعفین کی زندگی گزار رہے تھے۔انہوں نے جب سنا کہ اللہ تعالی نے ہجرت کے بارے میں کیا فرمایا ہے تو فوراً کہا کہ:

مجھے اس آبادی سے نکال لے چلو مجھے اس آبادی سے نکال لے چلو۔

چنانچہ ان کے لیے ایک خصوصی بستر کا انتظام کر کے انہیں اس پر لٹا دیا گیا' پھر وہ جونہی مکہ سے نکلے' تو مکہ سے ٦ کلومیٹر کے فاصلے پر ''تنعیم'' کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔

آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب سمجھتے تھے اور اس آیت کے نزول کے بعد مستضعفین فی الارض کی زندگی گزارنا کتنا پسند کرتے تھے۔امام طبری رحمہ اللہ نے ایک صاحب سے روایت کیا کہ جس نے خود مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو حمص میں ایک تابوت کے کنارے کھڑے دیکھا کہ اپنے موٹے اور بھاری جسم کے مطابق تابوت کا آرڈر دے رہے ہیں' پوچھا گیا: خیریت ہے؟ کہا: جہاد کی تیاری ہے۔کہا گیا......اللہ نے آپ کا عذر (بے حد موٹا ہونا) قبول کر رکھا ہے پھر یہ کیوں؟ کہا: ہمارے پاس گھروں سے نکالنے والی آیت آچکی ہے' یعنی (اِنْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالا)......نکلو...... ہلکے ہو یا بوجھل۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ جنگ کے لیے نکلے حالانکہ ان کی ایک آنکھ پہلے ہی جنگ کی نذر ہو چکی تھی۔ان سے کہا گیا......آپ معذور ہیں۔آپ آرام کیجئے۔نکلنے کو اور بہت سے لوگ موجود ہیں فرمایا......نہیں اللہ نے خفیف اور ثقیل ہر شخص کو نکلنے کو کہا ہے......اگر میں جنگ نہیں کر سکتا تو کیا ہوا مسلمانوں کے گروہ میں اضافے کا سبب ہی بنوں گا اور محاذ جنگ پر ان کے سامان کی حفاظت کروں گا۔ایک روایت میں ہے کہ شام کی جنگوں میں کچھ لوگوں نے ایسے شخص کو دیکھا جس کی پلکیں بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں پر گر چکی تھیں۔اس سے کہا گیا...... چچا میاں! اللہ نے آپ کا عذر قبول کر رکھا ہے' آپ جہاد کی تکلیف اٹھانے کے لیے کیوں نکلے ہوئے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا:

بھتیجے! اللہ نے ہمیں ہلکے اور بوجھل دونوں صورتوں میں نکلنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر قرطبی ج۸ ص ۱۵۱)

قارئین! یہ دیکھئے یہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ ہیں۔جب کبر سنی [بڑھاپے] میں انہوں نے محسوس کیا کہ اب موت قریب ہے تو فرمایا کہ:

میری کمان میں تیر چڑھا دو۔پھر اس حال میں انتقال فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں وہ کمان مضبوطی سے جکڑی ہوئی تھی۔انتقال کے بعد انہیں وہیں بلاد روم کے ایک جزیرے میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ دمشق از علامة ابن عساکر ج ۲ ص ۱۷۹)

اور یہ دیکھئے یہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں۔جو ضعیف العمری کے باوجود اسلام کی جغرافیائی سرحدوں پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے دو ہزار ٦ سو کلومیٹر کی مسافت طے کر کے آئے ہیں۔کچھ سفر پیدل کیا اور کچھ اپنی سواری کی پشت پر۔ (عبداللّٰہ بن مبارك از ڈاکٹر المحسب)

اور یہ زبیر المروزی رحمہ اللہ ہیں جو کہہ رہے ہیں:

مجھے چالیس سال سے گوشت کھانے کی خواہش ہے' لیکن میں گوشت نہیں کھاتا اور میرا عزم ہے کہ یہ خواہش اب رومی بھیڑوں کی غنیمت ہی سے پوری کروں گا۔ (ترتیب المدارك از قاضی عیاض ج ۳ ص ۲۴۹)

اور یہ کوفہ کے قاضی عروہ ابن الجحر رحمہ اللہ ہیں جن کے گھر میں جہاد کے لیے ہر وقت ۷۰ گھوڑے بندھے رہتے ہیں۔ (تھذیب الاسماء واللغات)

محمد بن واسع رحمہ اللہ‘ عبادت گزار محدثین اور سرحدوں پر ہمیشہ نگرانی کرنے والے غازیوں میں سے تھے۔ان کے بارے میں عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محمد بن واسع رحمہ اللہ کی عین میدانِ جنگ میں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ایک انگلی مجھے ایک لاکھ قاتل تلواروں اور شاطر [چالاک] جوانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ (المشوق فی الجھادص ۶۹)

احمد بن اسحاق السلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ میری اس تلوار نے تقریباً ایک ہزار ترک کافر باشندے مارے ہیں......اگر بدعت نہ ہوتی تو میں وصیت کر جاتا کہ اس (تلوار) کو میرے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ (تھذیب التھذیب از ابن حجر عسقلانی رحمه اللّٰہ ج ۱ ص ۱٤)

اور یہ ابوعبداللہ بن قادوس رحمہ اللہ ہیں جو دشمن کا بے تحاشہ جانی نقصان کرنے کی وجہ سے اندلسی عیسائیوں میں مشہور ہیں‘ کہ ایک بار جب ایک صلیبی گھوڑے نے پانی پینے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا:

کیا بات ہے۔پانی کیوں نہیں پی رہے؟

کیا پانی میں ابن قادوس کی شکل نظر آ رہی ہے؟ (المشوق فی الجھادص ۷۷)

اور یہ بدر بن عمار رحمہ اللہ ہیں جو اپنے کوڑے کی مدد سے شیر ببر کو مار ڈالتے تھے‘ چنانچہ متنبّی نے ان کی مدح کرتے ہوئے لکھا۔

شجاعت اس کی عالم آشکارا‘ فقط کوڑے سے شیر نر کو مارا

اصل شعر یوں ہے:

اَمُغْفِرٌ للّیثِ الْھِزبَرِ بِسَوْطِہٖ ، لِمَنْ اِدَّخَرْتَ الصَّارِمَ الْمَصْقُوْلَا

جس نے اپنے کوڑے سے چیرنے پھاڑنے والے شیر کو خاک وخون میں تڑپا دیا‘ سوچنا چاہیے کہ اس نے اپنی صیقل شدہ [تیز دھار والی] تلوار کس کے لیے بچا کر رکھی ہوئی ہے۔

اور یہ عمر مختار رحمہ اللہ ہیں جن کے بارے میں اطالوی جنرل کہتا ہے:

’’عمر مختار بیس مہینوں میں ہماری فوج سے ۲۶۳ بار ٹکرایا اور اس کے مجموعی معرکوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔‘‘

اور یہ شیخ محمد فرغلی رحمہ اللہ ہیں کہ جونہی انگریزوں کو شہر میں ان کے داخلے کی خبر ملتی ہے وہ اپنی چھاؤنیوں میں ہنگامی حالت کا اعلان کرا دیتے ہیں......انگریزوں نے ان کو زندہ یا مردہ گرفتار کروانے کے لیے ۵ ہزار پاؤنڈ (مصری) انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔

نہر سویز کے کنارے انگریزوں کے کشتے کے پشتے لگا دینے والے یوسف طلعت رحمہ اللہ کو ’’جزار الانجلیز‘‘ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے......یعنی انگریزوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے والا‘‘

صدر ناصر (لعنہ اللہ علیہ) نے اپنے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ان کو پھانسی دے دی۔اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

یہ احمد شاہ مسعود کی مجلس کے ایک رکن ’’محمد بانا‘‘ ہیں انہوں نے اپنے گروپ کے ساتھ درۂ سالانگ میں سینکڑوں روسی گاڑیاں شکار کیں۔روسی انہیں ’’جنرل محمد بانا‘‘ کہتے ہیں۔

عبداللہ بن انس نے مجھے بتایا کہ ایک روز کچھ روسیوں نے اسے دیکھ لیا اور اسے دیکھتے ہی خوف سے بعض کے ہاتھوں سے اسلحہ گر پڑا۔

دوستو! یہ ہے ہمارے اسلاف کی سنت! کیا ہم اپنے جلیل القدر‘ شجاع‘ اور دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ بدل کر رکھ دینے والے بزرگوں کے طریقے پر نہیں چلیں گے؟

۶- دارالاسلام کے لیے بنیادی گروہ تیار کرنے کے لیے

واضح رہے کہ زمین کے سینے پر ایک مسلم معاشرے کا قیام، مسلمانوں کے لیے بالکل اسی طرح ضروری ہے جس طرح انسانوں کے لیے ہوا اور پانی۔ اور یہ ''دارالاسلام'' جہاد کے نعروں اور عمل کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے والی اور معرکوں میں کشت وخون ے بازار گرم کرنے والی کسی منظّم تحریک کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی تحریک اسلامی ''عام عوامی جہاد'' کے بغیر اسلامی معاشرے کے قیام اور دارالاسلام کی تشکیل کا فرض ادا نہیں کرسکتی۔ واللہ اعلم۔

اس تحریک کی مثال جو اس عوامی جہاد کا دھڑکنے والا دل ہوگی اور سوچنے والی فکر، اس چھوٹے سے سٹارٹر کی ہوسکتی ہے جو اپنے ذرہ سے شعلے سے بڑی بڑی موٹریں چلا دیتا ہے۔ یہ تحریک اسلامی اس عظیم امت کو ابتدائی قوت فراہم کرے گی اور اس کی بنیادوں میں خیر اور نیکی کے بیج بوئے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ تختِ کسریٰ کو ہلا دینے والے اور قیصر کا رعب مٹی میں ملا دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کل تعداد عامۃ المسلمین کی نسبت بے حد کم تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام سے مرتد ہونے والے قبائل کو بھی توبہ کے اعلان کے بعد ایران اور فارس کی جنگوں میں بھیج دیا تھا...... انہی دنوں کی بات ہے جب طلحہ بن خویلد الاسدی (جس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا) قادسیہ کے بہادر ہیرو کے طور پر مشہور ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے ایران کے حالات کے بارے میں رپورٹ لانے کی ذمہ داری دے کر بھیجا تھا...... اس نے پوری ذمہ داری اور بہادری کے ساتھ یہ کام انجام دیا اور پھر اس کی یہ بہادری مشہور ہوگئی۔

اور جہاں تک بات ہے ان مٹھی بھر نوجوانوں کی، تو اگر کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ اسلامی معاشرہ قائم کرنا انہی کا کام ہے، تو میں واضح لفظوں میں بتا رہا ہوں کہ یہ ایک بے تکا خیال ہے اور ایک بے بنیاد نظریہ ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ جمال عبدالناصر نے اقتدار پانے کے بعد تحریک اسلامی کے ساتھ جو کچھ کیا...... اس کے بعد بار بار اس تجربے کو دہرا کر مختلف نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

عوامی جہاد کا یہ سفر اپنے طویل راستوں پر
مصیبتوں کی کڑواہٹیں چکھتا
قربانیوں کے ڈھیر لگاتا
لاشوں کے انبار پیش کرتا۔ اپنا سفر طے کرتا چلا جاتا ہے۔
اور اس رستے میں
دل پاکیزہ ہوکر زمین کی پشتیوں سے اٹھ کر آسمانوں کی بلندیوں کو چھو لیتے ہیں۔
دولت اور جائیدادوں کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے اپنی موت آپ مرتے چلے جاتے ہیں۔
مادی چیزوں کا لالچ ختم ہوجاتا ہے۔
دلوں کے بغض مٹ جاتے ہیں۔
پھر روحیں صاف اور شفاف ہوکر جگمگانے لگتی ہیں۔
اور قافلہ نیچے کی طرف جانے والے بہاؤ سے الگ ہوکر
اونچی چوٹیوں کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔
ان چوٹیوں کی طرف...... جہاں مٹی کی بو بھی نہیں ہوتی
اور جنگلوں کے جھاڑ جھنکار بھی نہیں ہوتے۔
جہاد کے اس راستے پر صالح قیادتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں، قربانیوں اور عطا وسخاوت کے ذریعے صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔
اور مردوں کی مردانگی اور شجاعت واضح ہوتی ہے۔

بزرگی رقص رقاصہ نہیں ہے، بزرگی رت جگوں اور جنگ میں ہے

پھر مقاصد کے ارفع ہونے کے ساتھ ساتھ توجہات بھی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہٹ کر بڑے مقاصد کی طرف منقلب ہوتی ہیں، اور بڑے اور اہم کام خواہشات کا ہدف اور عوام کی آرزوئیں قرار پاتے ہیں۔

اگر تم عزتیں چاہو یارو، ستاروں سے اُرے ہمت نہ ہارو
جو موت اک بار آنی ہے پیارو، اُسے سینے سے نیچے مت اتارو
مگر ایسے کہ جب تم مر رہے ہو، تو کوئی کارِ مرداں کر رہے ہو
یہی بات اک دانا نے کہی ہے، کہ اصلی نامرادی بزدلی ہے
خود اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا، کمینوں کی یہی فطرت رہی ہے

معاشروں کا مزاج بھی بالکل پانی کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح کھڑے ہوئے پانی کی سطح پر گندگی، بُو اور طرح طرح کے غلیظ کیڑے ظاہر ہو جاتے ہیں اور جاری پانی میں نہ تو بدبو ہوتی ہے نہ غلیظ جانور اس کی سطح پر ٹکے رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ٹھہرے ہوئے جامد معاشروں میں وہ قیادتیں ابھر ہی نہیں سکتیں جو ذمہ داریوں سے حقیقتاً عہدہ برآ ہونے کی صلاحیتیں رکھتی ہوں۔ کیونکہ وہ کسی حرکت، محنت، قربانی یا سخاوت وعطا کے راستے سے ابھر کر نہیں آتیں۔

اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی معاشرے میں بھاری ذمہ داریاں ادا کرنے اور جلیل القدر قربانیاں دیے بغیر نہیں ابھرے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت کسی ''الیکشن'' اور انتخابات کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ امت خود ہی ان کے انتخاب پر متفق ہوگئی۔ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح جنتوں میں رفیقِ اعلیٰ سے ملی...... ساری نگاہیں میدان کی طرف اٹھ گئیں اور ان میں سے کسی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل کوئی شخص نظر نہیں آیا۔

پھر اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کو جو قوم جہاد کرتی ہے۔ وہ بھاری قیمت ادا کرتی ہے اور اس بھاری قیمت کے بدلے میں وہ پکا ہوا اور پختہ پھل سمیٹتی ہے جس کو اس سے چھیننا آسان نہیں ہوتا کیونکہ اس کے حصول میں خون اور پسینہ استعمال ہوا ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں وہ فوجی انقلاب جو سفارت خانوں کی پس پردہ سازشوں کے ذریعے لایا جاتا ہے اور جسے لوگوں کے دلوں میں اتارنے کے لیے ''قومی نشریاتی رابطوں''، پر تقریروں کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے، اس کی بساط لپیٹ دینا بھی اس قدر آسان ہوتا ہے۔

وہ جس نے شہر پر قبضہ کیا ہو، الگ لیکن وہ جنگوں سے رہا ہو
بڑا آساں ہے اس سے شہر لینا، اگر تم شہر اس سے لینا چاہو

اس کے بالکل برعکس بہادر اور جہاد کی لمبی، پرمشقت اور طویل شاہراہیں پاٹنے والے جری سپہ سالاروں کے زیرِ قیادت جنتوں کی طرف سفر کرنے والی ''امت جہادیہ'' کو رستے سے بھٹکا دینا یا اسے اپنی قیادت کے خلاف باغی کر دینا یا اس کا تختہ الٹنے کی سازشیں کرنا، آسان نہیں ہوتا...... نہ ہی اس کے دشمنوں کے لیے یہ آسان ہے کہ اسے اپنے عظیم الشان سپوتوں کے راستے سے شکوک میں مبتلا کر دیں۔

پھر یہ جہاد کی یہ لمبی اور طویل تحریک، امت اسلامیہ کے افراد کو یہ شعور عطا کرتی ہے کہ وہ سب ایک ہیں، ان سب نے مل کر اس انقلاب کی قیمت ادا کی ہے اور وہ سب اس اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے دی جانے والی قربانیوں میں شریک ہیں، چنانچہ اس احساس کے زیرِ اثر وہ تمام اس نومولود معاشرے کے چوکیدار اور محافظ بن جاتے ہیں جسے پوری امت نے تخلیق کی تمام تر مشقتیں جھیلنے کے بعد وجود اور نیا آہنگ بخشا ہے۔

ہاں! ...... اسلامی معاشرے کے لیے نئے سرے سے پیدا ہونا ضروری ہے...... اور پیدائش کے لیے خون کا بہنا ضروری ہے...... اور خون کا بہاؤ تکلیف اور درد سہے بغیر ممکن نہیں۔ پھر جہاد کی لمبی اور پرمشقت جدوجہد امت کے جسم سے سستی اور ڈھیلا پن دور کر دیتی ہے اور وہ ساری نزاکتیں اور نخرے اپنی مشقتوں کے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے جو ٹھہری ہوئی اقوام اور جامد معاشروں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔

۷- کمزوروں کی حمایت کی خاطر

جی ہاں! جہادِ اسلامی کی وجوہات میں سے ایک' مظلومین و مستضعفین کی حمایت ونصرت اور ظلم کا خاتمہ بھی ہے:

وَمَالَکُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَااَخْرِجْنَامِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَاوَاجْعَلْ لَّنَامِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّاوَّاجْعَلْ لَّنَامِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا۔ (النساء:۴:۷۵)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوٗ عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ الٰہی ہم کو اس بستی سے نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

اس آیت کا اجمالی مطلب یہ ہے کہ:

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ اور مستضعفین کی راہ میں لڑنے کے لیے نہیں نکلتے حالانکہ وہ تمہیں پکار رہے ہیں کہ تم اللہ کے ولی' دوست اور مددگار کی حیثیت سے آ کر ان کی مدد کرو اور انہیں ظالموں کی قید سے چھڑاؤ ۔

عورتیں دشمنوں کی قید میں' اور مسلم چین سے بیٹھے رہیں

اس بات پر سارے فقہاء متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان عورت دشمن کی قیدی ہو جائے تو نفس اور مال سے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے بلکہ بزازیہ میں تو یہاں تک ہے کہ:

''اگر مشرکوں میں کوئی مسلمان عورت دشمن کی قید میں چلی جائے تو اہلِ مغرب تک' سب پر اس کو چھڑانا واجب ہو جاتا ہے''

حمیت دین کی دل میں اگر ہے' تو لڑنے کے لیے میدان میں آ
تجھے ان عورتوں کا واسطہ ہے' اُنہی پر شرم اور غیرت ذرا دکھا
اگر تو اجر کا طالب نہیں ہے' غنیمت کے لیے ہی دوست آ جا

میں ایک دفعہ لوگر میں اپنے عظیم مجاہد گلبدین حکمت یار کے ساتھ تھا۔ ہم مرکزِ ولایت پر ایک زبردست حملہ کر کے لوٹ رہے تھے کہ ایک اجڑی ہوئی بستی سے چند بچے شور مچاتے اور عورتیں حکمت یار کو دعائیں دیتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں ۔

مسلمان عورتیں قیدی بنی ہیں' مسلماں اب بھی عیش آرام چاہیں

ظلم کی سرزمین پر وہ اسلام کہاں ہے جو زمین پر عدل کا نظام قائم کرنے کے لیے آیا تھا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَارُسُلَنَابِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَامَعَھُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (الحدید:۵۷:۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا' اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

۸- شہادت اور جنت کے اونچے درجات کی تمنا میں

ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ:

للشهيدعندالله سبع خصال يغفرله فی اول دفعة من دمهٖ ويری مقعده من الجنة ويحلی حلية الايمان ' ويزوج اثنين وسبعين زوجة من الهورالعين ويجارمن عذاب القبر ويامن من الفزع الاكبر ويوضع علی راسه تاج الوقار ' الياقوته منه خير من الدنيا ومافيها . ويشفع فی سبعين انسان من اهل بيته . (صحيح الجامع ۵۸-۸)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے سات انعامات ہیں۔

۱- اس کے خون کے پہلے قطرے کے ساتھ ہی اسے بخش دیا جائے گا۔

۲- وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنی جگہ دیکھ لے گا' اور ایمان کا ذائقہ چکھ لے گا۔

۳-خوبصورت اور موٹی آنکھوں والی ۷۲ حوریں اس کے نکاح میں دی جائیں گی۔

۴-وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

۵-وہ حشر کے خوفناک دن سے محفوظ اور مامون ہوگا۔

٦-اس کے سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا۔جس کا ایک ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہوگا۔

۷-اپنے خاندان میں سے ۷۰ افراد کے لیے اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان فی الجنة مائة درجة اعدھا اللہ للمجاھدین فی سبیل اللہ مابین درجتین کمابین السمآء والارض – فاذا سالتم اللہ فسالوه الفردوس. (فتح الباری ج ۲ ص ۹)

جنت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے ۱۰۰ منزلیں تیار کر رکھی ہیں اور ہر درجات کے درمیان زمین آسمان کا فاصلہ ہے' چنانچہ جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ''فردوس'' کے حصول کی دعا مانگو کرو۔

۹- جہاد..........عزتوں کا محافظ

جہاد امت مسلمہ کی عزتوں کا محافظ اور انہیں ذلتوں سے بچانے والا ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

اذ ضن الناس بالدینار والدرھم وتبایعوابالعینة واتبعوا اذناب البقر سلط اللہ علیھم ذلالاً . یرفعه حتی یراجعوا دینھم .

جب لوگ درہم اور دینار کے پیچھے پڑ جائیں گے۔اور مادی چیزوں سے محبت کرنے لگیں گے۔اور چیزوں کی اس محبت میں اندھے ہو نفس کی گائے کے پیچھے چلنے لگیں گے۔تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت اور مسکنت طاری کر دے گا جسے اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف لوٹ نہیں آتے۔ (صحیح الجامع ٦٨٨)

۱۰- جہاد......عظمت وشوکت کا امین

جہاد امتِ مسلمہ کے رعب و دبدبے اور جلالت و ہیبت کا محافظ بھی ہے اور اس کے دشمنوں کی چالوں کا توڑ بھی۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ لَاتُكَلَّفُ اِلَّانَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَسَی اللهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاللهُ اَشَدُّبَاساً وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلاً .

پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم اللہ کی راہ میں لڑو' تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لیے ذمہ دار نہیں ہو۔البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لیے اکساؤ' بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے' اللہ کا زور سب سے زبردست اور اس کی سزا میں سے زیادہ سخت ہے۔ (النساء٤:٨٤)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

یوشک ان تداعی علیکم الامم من کل افق کما تداعی الاکلة الیٰ قصعتھا–قیل–یا رسول اللہ! فمن قلة یومئذ قال:لا ولکنکم غثاء کغثاء السیل یجعل الوھن فی قلوبکم وینزع الرعب من قلوب عدوکم لحبکم وکراھیة الموت.

شاید ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ دنیا بھر کی امتیں تم پر یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسے کہ بھوکے دسترخوان پر ٹوٹتے ہیں۔

کہا گیا یا رسول اللہ! اس روز ہم بہت تھوڑے ہوں گے۔

فرمایا: نہیں بلکہ تم سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوگے مگر تمہارے دلوں میں ''وہن'' جڑ پکڑ لے گا۔اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکل جائے گا۔کیونکہ تم دنیا سے محبت اور موت [جہاد] سے کراہت کرنے لگو گے۔ (صحیح الجامع ٣٥-٨)

۱۱- جہاد..........فساد سے بچاؤ اور زمینوں کے دفاع کا ذریعہ

جہاد ہی سے خطہ زمین کی اصلاح اور فساد سے بچاؤ ممکن ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ. (البقرة:۲:۲۵۱)

اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔

۱۲- جہاد............شعائرِ اسلامی کا محافظ

جہاد میں شعائرِ اسلامی کی حمایت وحفاظت ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَّبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدَ يُذْكَرُفِيْهَااسْمُ اللهِ كَثِيْرًا. (الحج:۲۲-۴۰)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

۱۳- جہاد عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ

جہاد امتِ اسلامی کو عذاب اور استبدالِ قوم سے بچاتا ہے۔

اِلَّاتَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ. (التوبة:۹:۳۹)

تم نہ اٹھو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا۔

۱۴- جہاد............بابِ رزق

جہاد امت کے اموال اور اسباب میں اضافے کا باعث ہے اور اسی میں امت کی شوکت وثروت کا راز پنہاں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وجعل رزقی تحت ظلّ رمحی. (صحیح الجامع۲۸)

میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں لکھا گیا ہے۔

۱۵- جہاد............عمارتِ اسلام کی چوٹی

جہاد اسلام کی عظیم الشان عمارت کی بلندترین چوٹی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ:

وذروة سنامه الجهاد. (ترمذی - ابن ماجة)

اس کا کوہان یا اس کی چوٹی جہاد ہے۔

پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس امت کی رہبانیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وعلیک بالجهاد......فانه رهبانية الاسلام

تم پر لازم ہے کہ جہاد کرو، یہ اسلام کی رہبانیت ہے

۱۶- جہاد......افضل ترین عبادت

جہاد افضل ترین عبادتوں میں سے ہے اور اس کے ذریعے ایک مسلم اونچے اونچے درجات پر جا پہنچتا ہے۔

فضیل بن زیاد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

ایک بار میں نے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دشمن کا ذکر کرتے سنا۔ دشمن کا ذکر کرتے وہ رو پڑے اور فرمایا: نیکی کا اس سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

انہی میں سے ایک صاحب نے روایت کیا:

دشمن کے مقابلے کے لیے میدان میں آنے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں، پھر میدان میں خود آنا سب سے افضل عمل ہے۔ یہی ہیں وہ لوگ جو دشمن سے لڑتے

ہیں اصل میں اسلام کا دفاع اور امت کی حفاظت کرتے ہیں۔ان کے مقابلے میں کچھ وہ لوگ ہیں جو گھروں میں قید' (جنگ کی) مشکلات سے محفوظ مگر خوف سے ان کی جان نکلی جا رہی ہے۔ان کے پاس زندگی گزارنے کا اپنا کوئی لائحہ عمل نہیں ہے......اب آپ ہی بتایئے کہ ان میں سے کس کا عمل افضل ہے......؟

دوسرا حصہ

وااسلاماہ

میرے مسلمان بھائیو!

آج [۱۹۸۷] نور ترکئی کے سوشلسٹ انقلابِ ثور کو آٹھ سال اور آٹھ ماہ ہونے کو آئے۔ان آٹھ سالوں میں افغان عوام نے قربانی کی جو بے تحاشہ اور بے نظیر مثالیں پیش کی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ان آٹھ سالوں میں افغان قوم ہر وہ مصیبت جھیلتی رہی اور خندہ پیشانی سے ہر اس آزمائش کا سامنا کرتی رہی جس کی ایک غیرت مند' متدین اور متمسک بالدین [پورے دین پر عمل پیرا] قوم سے توقع کی جاسکتی تھی۔اپنے دین کو' اپنی عزت کو اور اپنے بچوں کو بچانے کی اس جنگ میں' آج افغانستان کا ہر گھر ''ماتم کدہ'' اور یتیم خانہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔

سروں اور لاشوں کے ڈھیر لگا کر' اور خون کے دریا بہا کر' افغان قوم نے ہر طریقے سے اپنے رب کی گواہی دینے کا کام سرانجام دے دیا ہے۔

اب کہ ترکش میں کوئی تیر باقی نہیں بچا ہے۔

اور کمان کی ڈوری ٹوٹنے کو ہے۔

افغانی اپنے رب کے سامنے شکوہ کناں ہیں۔

اور آٹھ سال کی اس طویل مدت کے دوران وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کسی روز مسلمان ان کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

اور دل کی گہرائیوں سے ان کی اخوت پھوٹ کر' ان کو افغانستان آنے پر مجبور کر دے گی۔

مگر افسوس! مسلمانانِ عالم نے ابھی تک اپنے مظلوم مگر بہادر بھائیوں کی پکار پر لبیک نہیں کہا۔

اونچی آواز میں رونے والوں کے بین

معذوروں اور زخمیوں کی چیخیں

یتیموں کی آہیں

اور بوڑھوں کی سسکیاں

ابھی تک ان کے کانوں تک نہیں پہنچیں یا وہ ابھی تک ان سے بے اعتنائی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ان میں سے بعض اچھے لوگوں نے تو اپنے دستر خوان کے بچے کھچے ٹکڑے بھیج دیے ہیں......اور اسی کو کافی سمجھ لیا ہے۔

لیکن پیش آمدہ خطرات کی وجہ سے ضرورت اس سے زیادہ ہے۔

افغانستان میں اسلام اور مسلمان شدید تکلیف میں ہیں۔

اور حقیقی اور واقعی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔

یہ مبارک جہاد جن مٹھی بھر نوجوانوں نے شروع کیا تھا وہ تربیتِ اسلامی سے بہرہ ور تھے اور علماء کی اس جماعت نے انہیں یہاں تک پہنچایا تھا جو اپنی جانیں اپنے اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکی تھی۔

لیکن اسلام کی اس پہلی نسل کا بہت سا حصہ راہ شہادت میں اپنے رب سے جاملا۔ اس کے بعد دوسری نسل آگے بڑھی، لیکن یہ دوسری نسل نہ تو تربیت یافتہ ہے نہ اِدھر اُدھر سے مدد کا کوئی ہاتھ ان کی تعلیم تربیت کے لئے اٹھ رہا ہے' حالانکہ انہیں اس چیز کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی ان کے درمیان میں رہے اور ان کا رابطہ پہلے اللہ سے جوڑے اور پھر انہیں احکامِ شرعیہ سکھائے۔

صورت حال کی اس قلیل اطلاع اور محدود علم کے مطابق ہم سمجھتے ہیں کہ افغانستان کی موجودہ نازک صورت حال میں جمہور علماء' مفسرین' اصولین اور بغیر استثنا چاروں مذاہب فقہ کے مطابق نفس اور مال سے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''الفتاوی الکبری'' ج ۴ص ۶۰۸ پر لکھتے ہیں:

اگر دشمن کسی اسلامی مملکت پر حملہ آور ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا مقابلہ کرنا قریبی (اور اگر وہ نہ کر سکیں تو اس کے بعد والی قریبی) آبادیوں پر واجب ہے۔ کیونکہ ساری اسلامی مملکتیں ایک ہی اسلامی مملکت کی طرح ہیں۔ اور ایسی حالت میں والد اور قرض خواہان کی اجازتوں کی پرواہ کیے بغیر نکلنا فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

اس معاملے میں امام احمد رحمہ اللہ بالکل واضح طور پر مجموع الفتاوی ج ۲۸ ص ۳۵۸ پر لکھتے ہیں۔

اگر دشمن کسی مسلمان آبادی پر حملہ آور ہو تو اس آبادی کے تمام مردوں پر جہاد فوراً واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس آبادی کے علاوہ دوسرے مسلمانوں پر بھی ' کیونکہ حکم ہے کہ:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ . (الانفال۸:۷۲)

اگر وہ تم سے مدد مانگیں تو تم پر لازم ہے کہ تم ان کی مدد کرو

اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کا یہ اہم کام چاہے کوئی تنخواہ لے کر کرے' چاہے اس کے بغیر میدان میں اترے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ امر ہر ایک کے اپنے اپنے حالات، مال کی کمی بیشی، سواری اور غیر سواری پر منحصر ہے کہ کوئی کس طرح جہاد میں حصہ لیتا ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمن نے جونہی حملے کا ارادہ کیا تو اللہ نے مسلمانوں کے لیے جنگ سے رخصت کی اجازت ممنوع قرار دے دی۔ اس سلسلے میں فقہاء اربعہ نے جو کچھ فرمادیا وہ بھی بڑا واضح ہے اور اس میں کسی تاویل اور تلبیس مضمون کی گنجائش نہیں ہے۔

ابن عابدین حنفی اپنے حاشیے کی ج ۳ص ۲۳۸ پر فرماتے ہیں:

اگر دشمن کسی اسلامی مملکت کی حدود پر حملہ آور ہو وہاں رہنے والوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کے قریب رہنے والوں پر بھی فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کے قریب والوں پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اور رہی بات ان لوگوں کی جو اس آبادی سے ذرا دور ہیں تو اگر اس جہاد میں ان کی مدد کی ضرورت وحاجت نہ ہو تو جہاد ان پر ''فرض کفایہ'' ہے اور اگر اس آبادی کے مکینوں کو دشمن سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ رکھنے کی صورت میں ' یا سستی اور کاہلی دکھانے کی صورت میں' ان کی مدد کی ضرورت پڑ گئی تو جہاد ان پر بھی فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایسا فرض عین جو نماز اور روزے کی طرح چھوڑا نہیں جا سکتا۔ پھر اگر وہ بھی مقابلہ نہ کر سکیں تو یہ فرض عین نزدیک تر آبادی پر منتقل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نزدیک تر آبادی پر اور اس تدریج سے چلتا ہوا جہاد ایک ہی وقت میں مشرق ومغرب کے سارے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے (اگر ضرورت پڑتی چلی جائے)

بدائع والصنائع ج ۷ص ۷۲ میں امام کاسانی الحنفی' البحر الرائق ج ۵ص ۷۲ میں ابن نجم الحنفی اور فتح القدیر ج ۵ص ۱۹۱ میں امام ابن الہمام کے فتوے موجود ہیں۔

شاید کچھ لوگ اکثر افغان بھائیوں کی میں اسلامی تربیت کی کوئی جھلک نہ پا کر مایوس ہوئے بیٹھے ہوں اور ان کے اندر پائے جانے والے بعض اختلافات کو اپنے بیٹھے رہنے کے لیے کافی وجہ سمجھ رہے ہوں!

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ:

جہاد چاہے فاسق وفاجر کے ساتھ مل کر کرنا پڑے۔ایسا واجب ہے کہ اس سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔یہی اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے کہ جہاد ہر نیک وفاجر کے ساتھ مل کر کیا جاتا ہے۔کیونکہ بعض اوقات اللہ اپنے دین کی مدد فساق لوگوں اور بداخلاق قوموں سے بھی کرواتا ہے۔یہی اس امت کے بہترین لوگوں کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے۔اور یہی آج ہر مکلّف پر واجب ہے۔

اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ امرائے جہاد سے جنگ نہ کی جائے' چاہے وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہوں،اور نہ ہی اسلامی کیمپ کی طرف سے لڑنے والی فوجوں سے بھڑا جائے،چاہے ان میں کتنا ہی فسق وفجور پایا جائے۔یہ خوارج کے ایک گروہ ''حروریہ'' کا مسلک ہے۔

اگر آپ کو دلچسپی ہو تو ان حوالوں کی طرف بھی مراجعت کریں

۱-حاشیہ الدسوقی المالکیج ۲ص ۱۷۴

۲-نہایۃ المحتاج از رملی الشافعیج ۸ص ۵۸

۳-المغنی فتاویٰ از ابن قدامۃ الحنبلی ج ۸ص ۳۴۵

مجموع فتاویٰ از ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شمارہ ۲۸ص ۵۰۶ پر وارد ہے کہ:

اسی طرح جو لوگ کم علمی کی وجہ سے فاسدانہ زُہد کا رویہ اختیار کریں جہاد میں ان کا ساتھ بھی اسی طرح دیا جائے گا اور اگر کم علم اور جاہل زہاد اپنے فاسدانہ زہد کے ساتھ جہاد میں اتر آئیں تو ان کا بھی پورا ساتھ دیا جائے گا۔

کچھ لوگ عذر کرتے ہیں کہ تعلیم وتربیت کے لیے ان کا اپنے شہر میں ہونا ضروری ہے۔ہم ان کے لیے امام زہری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیے دیتے ہیں:

''سعید بن المسیب رحمہ اللہ جہاد کے لیے نکلے حالانکہ ان کی ایک آنکھ پہلے ہی جنگوں کی نذر ہو چکی تھی۔ان سے کہا گیا آپ تو مریض اور معذور ہیں۔آپ آرام کیجئے۔کہا:اللہ نے خفیف اور ثقیل سب لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا ہے اگر میں جنگ نہ کر سکا تو مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنوں گا اور ان کے مالوں کی حفاظت کروں گا۔''

اب کس مائی کے لال کا درجہ ان سے زیادہ ہے۔اگر سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا طریق کار یہ ہے۔تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ہم اپنی نجات کے لیے کیا موقف اپنائیں گے۔

حضرات صالحین!پانی کمر سے گزر کر سر کی طرف بڑھ رہا ہے' مسلمانوں کا معاملہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔میں پوچھتا ہوں اگر نفیر عام اب بھی نہیں۔تو پھر آخر کب تک؟

اور یہ اطمینان وچین کی نیند۔آخر کب تک؟

اگر کل کے علما یہ فتویٰ دیتے ہیں (جیسا کہ بزازیہ میں وارد ہے) کہ:

اگر ایک مسلمان عورت مشرق میں قید ہو جائے تو مغرب کے مسلمانوں پر اس کو چھڑانا واجب ہو جاتا ہے۔

تو آخر ہمارے علما ان ہزاروں عورتوں کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں جن کی عزت وحرمت دشمن کے قید خانوں میں روزانہ نیلام کی جاتی ہے؟

اور وہ ان عورتوں کے بارے میں اللہ کو کیا جواب دے سکیں گے۔؟

وہ پاکباز ہماری بہنیں جنھوں نے سرخ فوجوں کے ہاتھوں ذلت ورسوائی سے بچنے کے لیے کنر اور پغمان کے دریاؤں میں چھلانگیں لگا دیں۔کیونکہ عورتوں کے لیے علما کا متفقہ فتویٰ یہی ہے کہ اپنی بے عزتی کے خوف کی صورت میں ان کے لیے کسی طور پر جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے سپرد کر دیں۔

کیا لوگ اس سے نہیں ڈرتے کہ یہ مصیبت کل کو انہیں بھی گھیر سکتی ہے،اور یہ معاملہ کل آپ کی عزت سے بھی پیش آ سکتا ہے!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَامِنُ اِمْرِیٍٔ یَخْذُلُ اَمْرًا مُسْلِمًا فِیْ مَوْطِنٍ یُنْتَقَصُ فِیْهِ مِنْ عَرْضِهٖ وَیُنْتَهَکُ فِیْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ

نُصْرَتَهُ وَمَامِنْ اَحَدٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْطِنٍ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّانَصَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهُ. (ابوداؤد ص٥٥٦٦)

جو شخص کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے یارومددگار چھوڑ دے گا جہاں اس کی عزت خطرے میں پڑ جائے اور اس کی آزادی کی توہین ہو رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی اس جگہ پر تذلیل کرے گا جہاں اس کی خواہش ہوگی کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی ایسے موقع پر مدد کرے گا جہاں اس کی عزت وآزادی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی وہاں مدد کرے گا جہاں وہ خواہش کرے گا کہ اس کی مدد کی جائے۔

تو اے سوئے ہوئے مسلمانو!

اپنی عزتوں کا خیال کرو۔ اور اللہ سے ڈرو!!

حبان بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

ہم عبداللہ بن مبارک کے ساتھ شام کی سرحدوں پر ''رباط'' [پہرے] کے لیے نکلے۔ جب ابن مبارک رحمہ اللہ نے دیکھا کہ جنگ کے ثواب کے شوق میں لوگ جوق در جوق چلے آرہے ہیں۔ تو میری طرف دیکھ کر کہنے لگے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ہم نے اپنی عمر اور عمروں کے تمام روز وشب خلیہ اور بریہ [حیوانوں کو سدھانے اور مخلوقات] کی تدریس وتعلیم میں گزار دیے۔ اور یہاں جنت کے دروازوں کو کھلا چھوڑ دیا۔''

یہی وہ ابن مبارک رحمہ اللہ ہیں جو ہر سال دو ماہ یا اس سے زیادہ کے لیے اپنی تجارت اور درس حدیث کا سلسلہ موقوف کر کے سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی کے لیے نکلتے۔ اس کے باوجود وہ رہ رہ کر کہتے: افسوس میں پوری عمر ''رباط'' نہ کر سکا اور علم وتعلیم کے کاموں نے مجھے اس عظیم ثواب سے روکے رکھا۔

اب وہ لوگ کیا کہتے ہیں جنہوں نے زندگی بھر اللہ کے رستے میں ایک گولی تک نہیں چلائی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہیں اور اس عالم میں شدید تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ لیکن یہ تکلیف انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ یاددہانی کرانے سے غافل نہیں کرتی کہ:

''اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کر دو۔''

پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو اس ارادے سے روکنا چاہا۔ تب انہوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اگر یقین ہو جائے کہ کتے اور بھیڑیے مجھے پھاڑ کھائیں گے تو میں پھر بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود (روانگی کا حکم دے چکے ہیں اور اس کا علَم [جھنڈے] کو نہیں کھولوں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تہہ کر کے اسامہ رضی اللہ عنہ کو تھما چکے ہیں۔ (حياة الصحابة ج١ ص٤٢٨)

اور اللہ کی قدرت دیکھیئے کہ اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار کی آخری وصیت بھی لوگوں کو جہاد پر ابھارنے کے بارے میں ہی ہو۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری گھڑیوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

> عمرؓ سنو! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ اس پر فوراً عمل کر گزرنا' مجھے امید ہے کہ میں آج پیر کے روز ہی مر جاؤں گا۔ چنانچہ اگر میں مر جاؤں تو تم شام سے پہلے لوگوں کو مثنیٰ [امیر لشکر] کے ساتھ جانے کے لیے تیار کرنا اور اگر مجھے شام تک دیر ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرنا۔ اور دیکھنا تمہیں کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی دین کے کام اور رب کے حکم کی تعمیل سے نہ روک دے۔

تم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مجھے بھی دیکھا تھا۔ اور اس وقت میں نے جو کچھ کیا تھا تم اس کے بھی شاہد ہو۔ اگرچہ لوگوں کے لیے اس

سے بڑا کوئی حادثہ نہ تھا۔لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع میں ذراسی کوتاہی اور تاخیر کر دیتا تو مجھے خطرہ تھا کہ اللہ ہمیں ذلیل نہ کر دے اور کہیں ہمیں سزا نہ دے۔ چنانچہ میں نے اسی روز لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور شہر مدینہ اس رات' جانے والے قافلے کی مشعلوں سے روشن ہو گیا۔''

اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحمت کرے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین انسان تھے۔انہوں نے یہ حقیقت پالی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جہاد کے لیے نفیر عام کے بعد اس فیصلے کے نفاذ میں تاخیر کا نتیجہ' خسارے اور ذلالت کے سوا کچھ نہیں۔

تو میرے مسلمان بھائیو!

یہ ہیں کتاب اللہ کے احکامات۔

اور یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منہ بولتی سنت۔

اور یہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ' جو انہوں نے اس دین میں جہاد کی اہمیت کو سمجھ کر اختیار کیا۔

تو کیا اب ہمارے لیے ان بے شمار واضح' متواتر روشن' قاطع [دوٹوک] اور جلیل القدر مثالوں کے بعد بھی کوئی راہ فرار باقی رہ جاتی ہے؟

دشمن مومن عورتوں کی عزت تک پہنچ گیا ہے۔

کیا ہم دشمن کو یونہی عزتوں سے کھیلتا' نظام کو تلپٹ کرتا، اور دین کی بنیادیں ادھیڑتا چھوڑ دیں۔

سارے یتیم تھک چکے "وامعتصما" پکار کر
ساری کراہیں آچکیں عرضیاں سب گزار کر
نخوت معتم وہی'اس پہ ہوا نہ کچھ اثر

دوستو!

روسی ۲۵ لاکھ افغانی مسلمان بچوں کو سوشلسٹ عقیدے کی تربیت دینے اور ان کے دلوں میں الحاد کا بیج بونے کے لیے روس لے جا چکے ہیں۔ادھر امریکیوں نے ۶۰۰ مدرسے کھول کر ۱۵ لاکھ بچوں کو اپنے ڈھب پر تربیت دینے کی قرارداد پاس کر دی ہے۔

میں پوچھتا ہوں۔اسلام کے داعی کہاں ہیں؟

اور اسلام کی تربیت دینے والے اتالیق [اساتذہ] کہاں ہیں؟

انہوں نے اس مسلمان نسل کو بچانے اور اس عظیم اور مبارک جہاد میں حصہ لینے کے لیے کیا تیاری کی ہے؟

فقہا اپنی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ سارے اسلامی شہر ایک بلد واحد کی طرح ہیں۔سو اگر مسلمانوں کے کسی ایک خطے کو کسی دشمن سے کوئی خطرہ محسوس ہو تو واجب ہو جاتا ہے کہ پوری امت اسلامیہ اس کو [ناپاک] جراثیم کی خوراک بننے سے بچانے کے لیے دوڑ پڑے۔تو پھر علما کو کیا ہوا کہ وہ نوجوانوں کو جہاد پر نہیں ابھارتے؟

خصوصاً اس حالت میں جبکہ تحریص [رغبت وشوق دلانا] فرض ہو

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ . (النساء٤:٨٤)

اور مؤمنین کو رغبت دلاؤ

داعیوں کو کیا ہوا کہ وہ اپنی زندگی کا ایک آدھ سال مجاہدین کے درمیان نہیں گزارتے؟ تاکہ ان کے ساتھ رہ کر انہیں رشد وہدایت سے سرفراز کریں۔

یونیورسٹیوں کے طلبہ کو کیا ہوا کہ وہ کو جہاد کا اعزاز حاصل کرنے اور زمین پر اقامت دین میں اپنا حصہ بٹانے کے لیے اپنی تعلیم ایک سال کے لیے ملتوی نہیں کر سکتے؟

رَضُوْابِاَنْ يَّكُوْنُوْامَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ . لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْابِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

وَاُولٰئِکَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (التوبۃ:۹:۸۷-۸۸)

ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والوں میں شامل ہونا پسند کیا اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا' اس لیے ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا۔ بخلاف اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

علمائے کرام کو کیا ہوا کہ جو لوگ ان کے پاس مشورہ اور نصیحت کی غرض سے آتے ہیں وہ انہیں اللہ کے دین کی حفاظت کرنے کے لیے' تن من سے جہاد کے لیے نکلنے کی نصیحت کیوں نہیں کرتے؟

صاحب ایمان اور صاحب کردار مؤمن نوجوان کب تک ضعف ایمانی کا مظاہرہ کر کے جہاد سے کٹے رہیں گے۔

وہ نوجوان، جس کے دل جہاد کی محبت میں تڑپتے ہیں اور بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لیے پھٹے پڑتے ہیں اور غیرت سے جلتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی سرزمین کو اپنے پاکیزہ خون سے سیراب کرنے کے لیے کب میدان میں اتریں گے؟

اور اس امت کے نوجوان کو جہاد سے روکنے والے خبردار رہیں کہ ان میں اور کسی کو نماز یا روزے سے روکنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے!

کیا جہاد سے نوجوانوں کو روکنے والے اس سے نہیں ڈرتے کہ وہ بالواسطہ طریقے سے ہی سہی اس آیت کے عام معنی کے تحت آجاتے ہیں:

اَرَاَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰی . عَبْدًا اِذَا صَلّٰی . (العلق ۹۶:۹-۱۰)

کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو ایک بندے کو نماز پڑھنے سے روک رہا تھا۔

ماؤں کو کیا ہوا کہ وہ اپنا ایک بیٹا اللہ کے راستے میں نہیں دیتیں تاکہ وہ ان کے لیے دنیا میں عزت اور آخرت میں شفاعت کا باعث بنے؟

باپوں کو کیا ہوا وہ اپنا ایک بیٹا جوانمرد بنانے کے کارخانوں، بہادر بنانے والے میدانوں اور جنگ کے معرکۂ ہائے کارزار میں جوان ہونے کے لیے نہیں اتارتے؟

ماؤں کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ ان کو بانجھ بنا دیتا تو؟

شکرِ نعمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ نعمت چھن جانے سے پہلے والدین اپنے بیٹوں کی زکوٰۃ ادا کریں۔

باپوں سوچنا ہوگا۔ کہ کیا بیٹے انہوں نے خود اپنی طاقت سے پیدا کیے ہیں۔

اور کیا اولاد کو رزق اور مال دینے والے وہ خود ہیں!

اگر ایسا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے تو

اللہ رب العالمین کے ساتھ بخل کیسا؟

مال کے مالک کے ساتھ بُخل۔ اور یہ عقیدہ کہ

لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ اَجَلَهَا وَرِزْقَهَا.

کوئی ذی روح اپنی عمر اور رزق پورا کیے بغیر نہیں مرسکتا۔

مسلمانوں کو کیا ہوا کہ وہ اپنے اعمال کے کھاتوں اور نیکی کی فہرستوں میں رباط کا ایک دن یا قتال کا ایک گھنٹہ لکھوانے کے لیے نہیں دوڑ پڑتے؟

رِبَاطُ يَوْمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ

ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک ماہ تک مسلسل روزوں اور قیام سے بہتر ہے۔

ایک حدیث حسن میں ہے:

رِبَاطُ يَوْمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ يَوْمٍ 'فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ يُقَامُ لَيْلُهَا وَصِيَامُ نَهَارِهَا

اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا دوسرے ایک ہزار دنوں، جن میں راتوں کو قیام کیا جائے اور دن میں روزہ رکھا جائے' سے بہتر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع ص ۴۵۰۳ میں ایک حدیث روایت کی ہے:

قِيَامُ سَاعَةٍ فِى الصَّفِّ لِلْقَتَالِ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ سِتِّيْنُ سَنَةٌ .

جنگ کے لیے ایک گھنٹہ صف میں کھڑا ہونا ۶۰ سال قیام سے بہتر ہے

تو اے مسلمان بھائیو!

دین کی حفاظت ونصرت اور اپنے نبی کی سنت کی سر بلندی کے لیے اٹھو۔!

میرے پیارے بھائی!

اپنی تلوار چمکاؤ، اپنے گھوڑے کی ہنہناہٹوں کا شور بلند کرو اور اپنی قوم پر لگا ہوا ذلت کا داغ دھوڈالو۔

تم نہ اٹھے تو اے مرے بیٹو' کون ہے جو اٹھے گا بہر جہاد

میرے عزیز بھائی!

ذلتوں کی نیند کافی ہو چکی' اب تو شیروں کی گرج مطلوب ہے

باغیوں نے سر اٹھا رکھا ہے اور' اپنی ملت آج بھی معتوب ہے

جس میں زنجیریں نہیں ''تسلیم'' ہے' یہ غلامی کی ذلالت خوب ہے!

اے مجاہد!

شہسواروں کی طرح میدان میں آ' اپنے دامن پر لگے دھبے مٹا

میرے پیارے بھائی!

خون میں نہائے ہوئے بخارا کی کہانیاں ۔زخمی فلسطین کے قصے ۔جلتے عدن کی خبریں اور قیدی مجاہدین کی التجائیں۔دردوالم میں ڈوبے اندلس کے تذکرے' ہمارے لیے بڑی اچھی عبرت ہیں۔کیا ہم وقت کے ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے پہلے اپنے ماضی سے عبرت پکڑلیں گے؟ یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے وقت گزرنے کا انتظار کرتے رہیں گے۔وقت کو تو گزر جانا ہوتا ہے۔وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

لیکن' ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا۔کہ کیا ہمیں آگے بڑھ کر وقت کی لگام تھامنے کی جرات کرنی ہے یا ذلتوں کے بل میں جتے جتے 'ابھی زمین میں آوارہ گردی کرنی ہے ۔اور جہاد کی اس عظیم الشان تحریک کے باوجود، اپنی تمام نالائقیوں اور بدنصیبیوں کے ساتھ تاریخ کے اوراق میں اسی طرح ضائع ہو جانا ہے جس طرح پہلی قومیں تاریخ کے کباڑ خانے میں گم ہو چکی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ دشمن' افغانستان سے ذلتیں اٹھاتا ہوا اپنی ایڑیوں پر واپس لوٹ جائے اور اگر ایسا نہ ہوا ۔تو کاش میں اپنی قوم کو بتا سکوں کہ مسلمانوں پر کتنی بڑی مصیبت آنے والی ہے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے بڑی مضبوط اسناد سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

مَنْ لَمْ يَغْزُ اَوْيُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْيَخْلُفْ فِى اَهْلِهٖ بِخَيْرٍ اَصَابَهُ اللهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ .

جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ کسی غازی کے اہل وعیال کی (اس کے پیچھے) خیر وخیریت دریافت کی۔اللہ اسے قیامت سے پہلے سخت جھٹکوں سے دوچار کرے گا۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ. (ق:۳۷:۵)

اس میں سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو' جو توجہ سے بات کو سنے۔

کیا میں نے بات پہنچادی؟ اے اللہ گواہ رہنا

کیا میں نے بات پہنچادی؟ اے اللہ گواہ رہنا

کیا میں نے بات پہنچادی؟ اے اللہ گواہ رہنا

اختتامیہ

۱- اگر دشمن مسلمانوں کی زمین پر داخل ہو تو تمام مفسرین اور محدثین کی نظر میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

۲- جہاد فرض عین ہو جائے تو تین اماموں کے نزدیک تو اس میں اور نماز میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ حنبلی البتہ نماز کو جہاد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

۳- امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی کتاب ''بلغۃ السالک لاقرب المسالک'' میں لکھا ہے کہ:

''ہر سال اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ یہ کام کر گزریں تو باقی افراد کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۴- اور اگر حاکم وقت اس کے فرض عین ہونے کا اعلان کرے یا دشمن مسلمانوں کے کسی محلے پر حملہ آور ہو تو وہ نماز روزے کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے۔

۵- مذہب حنفی کی کتاب ''مجمع الانہار'' میں آیا ہے:

''اگر سارے لوگوں کا جنگ میں حصہ لیے بغیر چارہ نہ ہو تو وہ نماز کی طرح سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔''

۶- ابن عابدین الحنفیؒ نے اپنے حاشیہ کی ج ۳ ص ۲۳۸ پر لکھا ہے:

''اور اگر دشمن کسی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہو تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ بالکل نماز اور روزے کی طرح جن کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں۔''

۷- اگر جہاد فرض ہو جائے تو والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں رہتا۔ بالکل اسی طرح جیسے نماز کی ادائیگی یا روزہ رکھنے کے لیے ان کی اجازت ضروری نہیں ہوتی

۸- کسی عذر کے بعد جہاد کے فرض عین کو چھوڑنے والے اور رمضان میں بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنے والے میں کوئی فرق نہیں۔

۹- مال کی بڑی سے بڑی مقدار بھی راہ اللہ میں دینے سے جہاد بالنفس کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی بلکہ وہ اسی طرح فرض عین بن کر باقی رہتا ہے۔ جیسے روزے کا بدلہ روزہ ہی ہے اور نماز کا بدلہ نماز۔ اور جس طرح فقیروں میں مال تقسیم کرنے سے یہ فرض ادا نہیں ہوتے۔ جہاد بالنفس بھی اسی طرح ہے۔

۱۰- جہاد نماز روزے کی طرح عمر بھر کا فریضہ ہے، چنانچہ جس طرح یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی فرد ایک سال روزے رکھے اور ایک سال چھوڑ دے اور ایک روز نماز پڑھے اور دوسرے روز نماز سے چھٹی کر جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی شخص چند سال جہاد کرے اور پھر چند سال کے لیے چھوڑ دے۔

۱۱- آج ہر اس جگہ جہاں کفار کا قبضہ ہے جانوں اور مالوں سے جہاد فرض ہی نہیں فرض عین ہو چکا ہے۔ اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک زمین کا ہر وہ چپہ جو کبھی حکومت اسلام کا حصہ رہا ہو، آزاد نہیں ہو جاتا۔

۱۲- جب مطلق کلمہ جہاد کہا جائے تو اس سے مراد اسلحہ سے جنگ کرنا ہے۔ یہ ابن رشد رحمہ اللہ کا قول ہے اور اس پر چاروں ائمہ متفق ہیں۔

۱۳- فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا معنی لیا جائے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج ۲ ص ۲۳ میں فرمایا

''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ''ہم چھوٹے جہاد (قتال) سے بڑے جہاد (جہاد بالنفس) کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

کسی کے قول کو حدیث بنا کر پیش کرنا غلط اور باطل ہے۔ اگر یہ حدیث ہے تو حدیث باطل اور گھڑی ہوئی ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تابعی ابراہیم بن ابی عبلۃ رحمہ اللہ کا قول ہے جو واضح نصوص، حقیقت واقع اور روحِ اسلام کے خلاف ہے۔

۱۴- جہاد اسلام کی عمارت کی عظیم الشان چوٹی ہے اور اس کے کئی مراحل اور منازل ہیں۔ سب سے پہلے ہجرت ہے، پھر تیاری ہے۔ پھر تیسرا مرحلہ رباط کا ہے اور

سب سے آخری منزل، دشمن سے مڈبھیڑ اور اس سے جنگ ہے۔ پہلی بات ہجرت کی ہے تو ہجرت جہاد کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کی ہے:

اِنَّ الْهِجْرَةَ لَاتَنْقَطِعُ مَادَامَ الْجِهَادُ. (صحيح الجامع ١٩٨٧)

جب تک جہاد باقی ہے، ہجرت منقطع نہیں ہو سکتی۔

دوسری چیز تیاری ہے اور ظاہر ہے کہ تیاری کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ معرکے میں داخل ہونے سے پہلے وہ ضروری، لازم اور واجب ہے۔ اس تیاری میں ورزشوں کے ذریعے جسم کی تیاری بھی ہے، اسلحے کا استعمال سیکھنا اور اس کی مشق کرنا بھی شامل ہے۔ اور اسی طرح کی جنگی پلان اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا، سیکھنا اور دشمن کا طرز جنگ جاننا اور تربیت اور مشق کے ذریعے روحانی اور جسمانی تربیت حاصل کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ جہاں تک رباط کی بات ہے۔ تو رباط اصل میں مسلمانوں کی حفاظت کے لیے سرحدوں پر قیام کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ جنگی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے۔ کیونکہ معرکے ہر روز پیش نہیں آتے، بلکہ بعض اوقات تو انسان ایک لمبی مدت تک نگرانی کا کام کیے چلے جاتا ہے اور اسے صرف ایک دو معرکے مل پاتے ہیں۔

١۵- آج جان اور مال سے جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہو چکا ہے اور امت مسلمہ اس فریضے سے کوتاہی کی صورت میں بالعموم اس وقت تک گناہگار رہے گی جب تک مسلمانوں کی زمینوں کا چپہ چپہ بھی کفار کے قبضے میں ہے۔ اور اس گناہ سے سوائے مجاہدین اور پشتیبانی کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں بچے گا۔

١٦- رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا جہاد مختلف قسم کا رہا۔ یعنی غزوۂ بدر مندوب اور مستحب تھا۔ غزوۂ خندق اور تبوک ہر مسلمان پر فرض عین تھا۔ غزوۂ تبوک تو خیر اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نفیر عام'' کا حکم دے دیا تھا اور غزوۂ خندق اس لیے کہ کفار مدینہ کی ارض اسلام پر چڑھ دوڑے تھے۔ غزوۂ خیبر فرض کفایہ تھا کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جانے کی کسی کو اجازت نہیں دی سوائے ان کے جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔

١٧- صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے زمانوں میں جہاد عام طور پر فرض کفایہ رہا کیونکہ یہ جدید فتوحات تھیں اور نئے نئے علاقے فتح ہو رہے تھے۔ آج جہاد بالنفس کرنا پوری طرح فرض عین ہو چکا ہے۔

١٨- اللہ نے جہاد ترک کرنے کے سلسلے میں کبڑے، اندھے، مریض، نابالغ بچے، بوڑھے اور اس عورت کے علاوہ جو لوگ جہاد اور ہجرت کرنے کا پورا راستہ نہیں جانتے کسی کا عذر قبول نہیں کیا، بلکہ مریضوں اور معذوروں کا مرض اگر شدید نہ ہو، اور وہ مجاہدین کی تربیتی چھاؤنیوں میں نماز پڑھ سکتے ہوں تو ان پر بھی واجب ہے کہ وہ مجاہدین سے جا ملیں اور انہیں قرآن پڑھائیں اور انہیں جنگ پر ابھاریں اور حوصلہ دیں۔ یعنی بہتر یہی ہے کہ وہ کم از کم تربیتی چھاؤنیوں میں ضرور رہیں۔ جیسا کہ عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ، احد اور قادسیہ کی جنگوں میں شامل رہے۔

اس کے علاوہ چاہے کوئی ملازم ہو یا صنعت کار یا جس پر سارے کام کا دارومدار ہو یا وہ کوئی بہت بڑا تاجر ہو، جہاد بالنفس ترک کرنے کے سلسلے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہے خواہ وہ اپنے سارے اموال جہاد میں بھیج دیں۔

١٩- جہاد ایک اجتماعی عبادت ہے اور ہر اجتماعی کام وعبادت کے لیے ایک امیر وامام کا ہونا ضروری ہے اور امیر کی اطاعت جہاد کے شدید ترین تقاضوں میں سے ہے۔

چنانچہ نفس کو امیر کی اطاعت پر عادی بنانا بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَنَشْطِكَ وَمَكْرِهُكَ وَأَثْرَةٍ عَلَيْكَ.

تم پر سننا اور اطاعت کرنا تنگی اور آسانی خوشی اور ناراضگی، ہر حال میں لازم ہے۔ چاہے اس سے تمہیں کسی نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ (امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ.

اخوانکم فی الاسلام : مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان